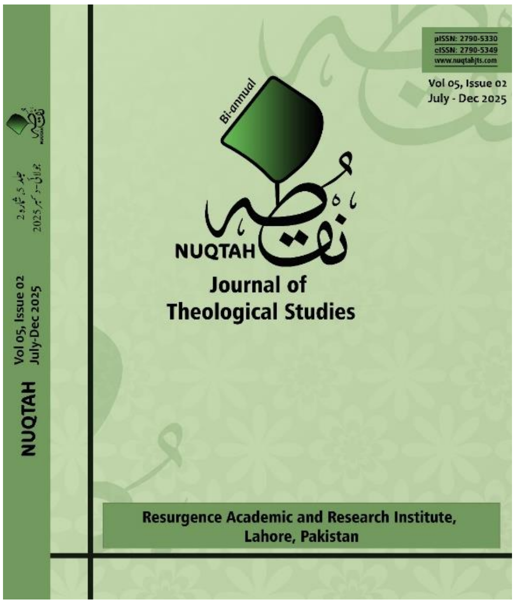

NUQTAH Journal of Theological Studies

Editor: Dr. Shumaila Majeed

(Bi -Annual)

Languages: Urdu, Arabic and English

pISSN: 2790 5330 eISSN : 2790 -5349

https://nuqtahjts.com/index.php/njts

Published By:
Resurgence Academic and Research Institute, Lahore, (53720) Pakistan.

Email: editor@nuqtahjts.com

حقوق نسواں کے تعین میں عرف وعادت کا کردار (فکر اسلامی کے تناظر میں تجزیاتی مطالعہ)

THE ROLE OF CUSTOMS AND TRADITIONS IN DEFINING WOMEN'S RIGHTS (AN ANALYTICAL STUDY IN THE PERSPECTIVE OF ISLAMIC THOUGHT)

Maria Abbas
Ph.D Scholar, Bahauddin Zakriya University, Multan
Email : mariaabbas466@gmail.com

Prof. Dr. Abdul Quddus Suhaib
Director, Islamic Research Center, Bahauddin Zakariya University, Multan
Email: aqsuhaib@gmail.com

Published online: 30 September, 2025

View this issue

OPEN ACCESS
CC BY

Complete Guidelines and Publication details can be found at

https://nuqtahjts.com/index.php/njts/publication-ethics

Abstract

Customary practice (urf) in society serves as a fundamental source for any traditional or legal framework, and it plays a meaningful role in the formulation and regulation of laws. This ʿurf is shaped collectively by both men and women, and together they lay the foundation of a better society. In other words, the way of life and conduct of a community is what is termed as ʿurf and practice. On one hand, there are the rights granted to women by divine religions; on the other, there is society itself, which acts as a living laboratory for safeguarding and implementing these laws. The legislative literature of Islam, particularly the Sunnah of the Prophet (peace be upon him), makes it very clear that the position, status, and constitutional as well as legal rights of women are truthful, enduring, and without any form of discrimination at any level.

However, the contemporary world has undergone drastic changes in terms of family, social, economic, and cultural structures, bringing with it significant transformations in the personal roles and responsibilities of men and women. This raises a pressing question before us: Has this social transformation ensured the protection of women's rights, or has it, instead, made women more vulnerable to exploitation? And what is the practical situation of applying the rights granted to women by Islam in today's world? These lines aim to discuss precisely this issue.

Keywords: Urf , Custom , Tradition, Society, Islamic thoughts, Women's Rights , and Culture

.

موضوع کا تعارف اور ضرورت و اہمیت

معاشرہ اور سماج کسی بھی ترقی یافتہ اور مہذب قوم کا پہلا ادارہ ہوتا ہے جہاں افراد تربیت پا کر ملک وملت کے لیے باعث نفع بنتے ہیں، گویا معاشرہ جتنی طاقت اور باشعور ہو گی قوم کا مستقبل اتنا ہی بہترین اور روشن ہو گا، یہ معاشرہ مرد و عورت سے مل کر تشکیل پاتی ہے، دونوں کی ذمہ داری اگرچہ جدا جدا ہوتی ہیں مگر مقصدیت کے اعتبار سے وہ ہمیشہ ایک ہوتے ہیں، اگر کسی سماج میں صنفی امتیاز یا تفریق ہو گی اور بالواسطہ یا بلاواسطہ کوئی ایک فریق زیر استعمال رہے گا تو سماجی ترقی، جمود اور تنزلی کا شکار ہو جائے گی۔

صنفی امتیازات تاریخی اعتبار سے انسانی معاشروں کا ہمیشہ سے ہی حصہ رہے ہیں لیکن یہ امر قابل ذکر ہے کہ ان تعصبات کا خاتمہ اور بغیر کسی تفریق کے آگے بڑھنے کے عمل میں اغلب کوششیں انفرادی و اجتماعی حوالوں سے سماج میں موجود رہی ہیں، محض سماج ہی نہیں بلکہ مذاہب بھی ہمیشہ ایک مستند کردار کے ساتھ ان کوششوں کا محرک رہے، قدیم مذہبی و تشریعی لٹریچر احترام انسانیت پر نہ صرف زور دیتا ہے بلکہ ایسی حرمت کی پامالی پر سخت سزاؤں کے نفاذ کو بھی یقینی بناتا ہے۔

بقیہ مذاہب کی طرح مذہب اسلام نے بھی انسانی حقوق و وقار پر زور دیا اور بالخصوص ایک جانبدار سماج میں عورتوں کو ہر طرح کے سماجی، سیاسی، معاشی اور معاشرتی حقوق عطا کیے، مذہب اسلام کے تشریعی لٹریچر (قرآن و سنت) کی تشریحات اور ان متون پر استوار فقہی قوانین میں عورتوں کی حقوق کے تحفظ پر بیسیوں مناہج

موجود ہیں، معاصر دنیا میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ان تعلیمات کی روشنی میں آج کے سماج اور معاشرے کو موضوع تحقیق بنایا جائے اور یہ دیکھا جائے کہ ان حقوق کو سماجی سطح پر کتنا قابل وقعت سمجھا جارہا ہے، نیز اس بات کا تعین بھی ضروری ہے کہ عرف وعادت اور رسوم ورواجات ان عورتوں کے حقوق کے تحفظ و رعایت میں کس قدر حساس ہیں۔ معاصر دنیا میں یہ مسئلہ اور بھی زیادہ اہم ہو گیا ہے کیونکہ اس میں عورت تاریخی اعتبار سے شعوری ایج کی اعلیٰ سطح پر موجود ہے، یہ عورت بحیثیت ایک سماجی اکائی، سماج کی تعمیر وترقی کے لیے اتنی ہی اہم ہے جتنی اہمیت کا حامل ایک مرد ہے، اگر اس کی صنف معاشرتی تفریق اور ناانصافی سے دوچار ہو گی تو یہ براہ راست سماج کا مسئلہ ہو گا اور اس کی ترقی کا عمل منجمد ہو جائے گا، ان سطور کی روشنی میں ہم اس موضوع تحقیق کی اہمیت کا اندازہ لگا سکتے ہیں اور اس پر کام کرنے کی ناگزیریت کو سمجھ سکتے ہیں

سابقہ تحقیقی کام کا جائزہ

اس موضوع پر سید جلال الدین انصر عمری کی کتاب "عورت اسلامی معاشرہ میں" بہترین اساسی کتاب ہے، جس میں قدیم تہذیبوں اور قدیم مذاہب میں عورت کی حیثیت پر روشنی ڈالی گئی ہے، اسی طرح اس کتاب میں مصنف نے عورت اور جدید سماجی نظریات کے بارے میں بات کی ہے، اسلامی سماج سماج میں عورت کے کردار، اس کا علمی مرتبہ اور مذہب اسلام میں عورت کو حاصل حقوق پر سیر بحث کی گئی ہے، کتاب کے آخر میں عورت کا بحیثیت سیکس سمبل کے کاروباری مفادات یا ذاتی خواہشات کی تسکین میں استحصال، موضوع بحث ہے۔[1]

خواتین کے حقوق اور اسلام کے حوالے سے مختلف موضوعات پر علمی تحقیق پیش کی جا چکی ہے۔ عورتوں کی سماجی حیثیت، ان کے حقوق و فرائض اور معاشرتی کردار کے متعلق مختلف مؤلفین اور محققین نے اپنی آراء اور خیالات کا اظہار کیا ہے، اسلامی معاشرے میں خواتین کا مقام، ان کے حقوق کی اہمیت اور ان کا تحفظ، خاص طور پر جدید تناظر میں خواتین کی حیثیت پر بہت سے اہلِ علم نے قلم اٹھایا ہے۔

اسلام میں عورت کی حیثیت کے حوالے سے متعدد کتب موجود ہیں جن میں اسلام اور عورت، عورت کا مقام، خواتین کے حقوق، عورت اور اسلام، عورت کی تعلیم، اور عورت کا پردہ شامل ہیں۔ ان موضوعات پر تحقیق نے کئی پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے، خاص طور پر اسلامی تعلیمات میں عورت کے حقوق کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

"Feminism and Islam" کے موضوع کے تحت بھی اگر دیکھا جائے تو اس بارے میں بکثرت مغربی مصنفین اور موجودہ مسلم مفکرین کی تحریریں موجود ہیں۔
کچھ مؤلفین نے جدید مسلم معاشروں میں خواتین کے موجودہ حالات کو تنقیدی نظر سے دیکھا ہے اور اسلام کی جدید تعبیرات اور ردِ عمل کو جانچنے کی کوشش کی ہے۔ جبکہ کچھ محققین نے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیے ہیں وہ کسی بھی جدید تحریک سے بڑھ کر ہیں۔ اسلام نے عورت کی فطرت کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اسے حقوق دیے اور ان پر عملدرآمد کو یقینی بنایا۔ بعض محققین نے عورت کو صرف جذبات کا پیکر کہنے کو بھی ناقص تصور قرار دیا ہے۔

اس سلسلے میں عشرت آمین کی تحقیق خاص طور پر قابلِ ذکر ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ: "اسلام تنقید کا نہیں، تحقیق کا مطالبہ کرتا ہے"۔ اُن کا کہنا ہے کہ عورت کے بنیادی مسائل کے حل کے لیے ضروری ہے کہ ان کو اسلامی تناظر میں سمجھا جائے۔ انہوں نے "اسلام اور عورت" کے موضوع پر کئی نئے پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔ ان کے مطابق اسلام عورت کو عزت و وقار عطا کرتا ہے فاضل مصنف کی جدید مغربی افکار کو اسلام کے ساتھ ہم آہنگ کرنے کی کوشش قابلِ ذکر ہے۔

ڈاکٹر مصطفیٰ سباعی کی کتاب "المرأة بين الفقه والقانون" میں بنیادی طور پر عورت کی فقہی و قانونی جہت کا جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ اسلام نے عورت کو جو حقوق دیے ہیں وہ فطری تقاضوں کے مطابق ہیں اور ان پر عمل ہی اس کی فلاح کی ضمانت ہے۔ انہوں نے اس میں صرف مذہبی پہلو ہی نہیں بلکہ سماجی اور معاشرتی پہلو کو بھی اجاگر کیا ہے۔[2]

محمد ابراہیم نے اپنی کتاب "تحریر مراۃ آفاقی عمرزادِ سلہ" بنیادی طور پر قرآن کی تفسیر اور حج کے موضوع پر کی، لیکن اس میں بھی عورت سے متعلق حقوق بیان کیے گئے ہیں اور قرآن مجید میں عورت سے متعلق ہونے والی آیات، تفکر اور جدید تحقیقات کا جائزہ لیا گیا ہے۔

سمیعہ جنیدی نے "اسلام اور عورت" کے موضوع پر تحقیق کرتے ہوئے یہ نکتہ اٹھایا ہے کہ مسلم عورت کا کردار کسی جدید فیمینسٹ تحریک کی مرہونِ منت نہیں بلکہ اسلامی تعلیمات میں موجود ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ مسلمان خواتین کو جب اسلام کے احکامات کے مطابق تعلیم دی جائے تو وہ اپنا کردار بہتر انداز میں ادا کر سکتی ہیں۔ ان کی تحقیق نے اس موضوع کو ایک نئی سمت مہیا کی ہے۔

عرف وعادت کا مفہوم :

- **عرف کا لغوی معنی :**

ماہرین لغت نے عرف کے کئی معانی بیان کیے ہیں۔ مشہور ماہرین، لغت نے عرف کے مندرجہ ذیل معانی بیان کیے ہیں :

- **اتصال واطمینان :**

عرف کا معنی بیان کرتے ہوئے ابن فارس لکھتے ہیں ::

عرف العین والراء والفاء: أصلان، یدخل أحدھما علی تتابع الشیء متصلا بعضہ ببعض، والآخر علی السکون والطمانیۃ

ترجمہ:" عرف جس کا مادہ ع۔ ر۔ ف ہے کے دو حقیقی معانی ہیں، ایک کسی شے کا دوسری شے کے ساتھ متصل ہو کر آنا ہے اور دوسرا سکون اور اطمینان ہے "

اس معنی کی مثال یہ ہے: جاءت القطاعرفاعرفا[3] ترجمہ:"کونجیں جھنڈ در جھنڈ آئیں "

دوسرا معنی بیان کرتے ہوئے ابن فارس نے یہ مثال بیان کی ہے :

عرف فلان فلاناعرفاناومعرفۃ[4] ترجمہ:"فلاں شخص نے فلاں کو خوب اطمینان کی حد تک پہچان لیا "

گویا لفظ عرف کے معنی میں خوب جان پہچان کی خصوصیت پائی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ "رجل عروف" اس شخص کو کہتے ہیں جو خوب جان پہچان والا ہو۔ اسی طرح عربی میں کہتے ہیں عرفتہ زیدا میں نے اسے زید کے بارے میں اچھی طرح بتا دیا۔ [5]

علم ومعرفت اور جان پہچان :

عَرَفَ یَعْرِفُ عِرْفَاناً کے لغوی معنی جاننے کے ہیں اور اسی سے معرفت ہے جیسا کہ امام راغب اصفہانی فرماتے ہیں کہ تفکر و تدبر کے ساتھ کسی چیز کو اچھی طرح جاننا معرف کہلاتا ہے۔

عرف: المعرفۃ والعرفان إدراک الشيء بتفکر وتدبر لأثرہ وھو أخص من العلم[6]

ترجمہ:"عرف: معرفت اور عرفان کسی شے کو اس کے اثر کی وجہ سے خوب غور و فکر کے ساتھ جان لینے کا نام ہے اور یہ علم سے زیادہ خاص ہے "

عرف کے قرآنی اطلاقات:

قرآن مجید میں اس کا ذکر یوں ہے :

وَاَظْهَرَهُ اللّٰهُ عَلَيْهِ عَرَّفَ بَعْضَهٗ وَاَعْرَضَ عَنْۢ بَعْضٍ[7]

ترجمہ:"اور اللہ نے نبی ﷺ کو اس (افشائے راز) کی اطلاع دی تو نبی ﷺ نے اس پر کسی حد تک (اس بیوی کو) خبر دار کیا اور کسی حد تک در گزر کیا "

دوسری جگہ ارشاد ہے: يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ[8]

ترجمہ:"وہ آپ ﷺ کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں "

پس عرف کے معانی میں جان پہچان، معرفت، ادراک وغیرہ پائے جاتے ہیں۔

پسندیدہ فعل :

عرف اور معروف پسندیدہ افعال کے لیے بھی استعمال ہوتے ہیں جیسا کہ لسان العرب میں ہے :

العرف ضد النكر، وہو كل ماتعرفه النفوس من الخير وتبأبه وتطمئن إليه، والمعروف مايستحسن من الأفعال[9]

ترجمہ: "عرف نکر کی ضد ہے اور اس سے مراد وہ تمام اعمالِ خیر ہیں جن سے نفس انسانی شناسا اور مطمئن ہو جائے اور معروف پسندیدہ افعال کو کہتے ہیں "

قرآن مجید میں ارشاد ہے :

وَأۡمُرۡ بِالۡعُرۡفِ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡجٰهِلِيۡنَ[10] ترجمہ: "اور معروف کی تلقین کیے جاؤ اور جاہلوں سے نہ الجھو "

اس آیت میں معروف سے مراد پسندیدہ افعال ہیں۔ امام جصاصؒ اس کی تفسیر بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

المعروف هو ما حسن في العقل فعله ولم يكن منكرا عند ذوى العقول الصحيحة [11]

ترجمہ: "معروف وہ کام ہے جس کا کرنا عقلی طور پر پسندیدہ اور مطلوب ہو اور صحیح العقل لوگوں کے ہاں وہ ناپسندیدہ نہ ہو "

امام رازیؒ اسی آیت کے تحت لکھتے ہیں :

ہو كل أمر عرف أنه لابدمن الاتيان به وأن وجوده خير من عدمه[12]

ترجمہ: "معروف ہر وہ امر ہے جس کے بارے میں معروف ہو کہ اس کا انجام دینا ضروری اور یہ کہ اس کا وجود اس کے عدم سے بہتر ہوتا ہے "

جس طرح معروف منکر کی ضد ہے اسی طرف عرف نکر کی ضد ہے۔ قرآنی آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ معروف سے مراد پسندیدہ اعمال و افعال ہیں جیسا کہ درج ذیل آیات سے مزید وضاحت ہوتی ہے :

وَّقُلۡنَ قَوۡلًا مَّعۡرُوۡفًا[13] ترجمہ: "اور ان سے اچھے طریقے سے بات کرو "

ایک اور مقام پر ارشاد باری تعالیٰ ہے: تَاۡمُرُوۡنَ بِالۡمَعۡرُوۡفِ وَتَنۡهَوۡنَ عَنِ الۡمُنۡكَرِ [14]

ترجمہ: "تم پسندیدہ باتوں کا حکم کرتے ہو اور بری باتوں سے منع کرتے ہو "

چنانچہ عرف اور معروف ہر وہ بات ہے جسے نفس انسانی اچھا سمجھے اور عقل اور شریعت میں بھی وہ پسندیدہ ہو جیسا کہ امام راغب اس کی تائید کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

المعروف اسم لکل فعل یعرف بالعقل أو الشرع حسنہ [15]

ترجمہ: "معروف ہر اس چیز کا نام ہے جس کی خوبی عقل یا شریعت کے باعث پسند کی جائے "

عادت کا معنی و مفہوم :

عرف اور عادت دو مختلف فنی اصطلاحات ہیں تاہم وہ تنوع اور اختلاف کے باوجود مترادف کے طور پر بھی استعمال ہوتی ہیں اور عرف و عادت ترکیب کے طور پر ایک مرکب ہے۔

عادت کا لغوی معنی :

لغوی طور پر عادت کا اطلاق کسی چیز کے بار بار لوٹ آنے پر ہوتا ہے۔ عادت کا لفظ 'عود' سے بنا ہے جس کا معنی 'لوٹنا' ہے۔ عاد یعود تعودا کا معنی 'لوٹنا' ہے جیسا کہ محاورۃً کہا جاتا ہے (رجعت عودی علی بدنی) "یعنی میں جس طرح آیا اسی طرح لوٹ گیا"۔ لسان العرب میں عادت کے یہی معنی بیان کیے گئے ہیں۔[16]

قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے :

وَهُوَ الَّذِيۡ يَبۡدَؤُا الۡخَلۡقَ ثُمَّ يُعِيۡدُهٗ[17]

ترجمہ:"وہی ذات ہے جس نے تخلیق کی ابتدا کی پھر اسی کی طرف لوٹتا ہے "

ابن امیر الحاجؒ نے بھی اسی رائے کا اظہار کیا ہے کہ عادت سے مراد وہ امور ہیں جو بغیر کسی عقلی تعلق کے بار بار کیے جاتے ہیں۔[18]

المعجم الوسیط میں عادت کا معنی ان الفاظ میں بیان کیا گیا ہے: کل ما اعتید حتی صار فعل من غیر جھد[19]

ترجمہ:"ہر وہ عمل جو بغیر کسی کوشش کے خود بخود ہو رہا ہو "

اس کا دوسرا معنی یہ بیان کیا گیا ہے :

الحالة تتكرر على نهج واحد[20] ترجمہ:"وہ حالت جو بار بار ایک ہی طریقہ پر وقوع پذیر ہو "

امام راغب اصفہانیؒ عادت کا معنی بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

العادة اسم لتكرير الفعل والانفعال حتى يصير ذلك سهلا تعاطيه كالطبع ولذلك قيل العادة طبيعة ثانية[21]

ترجمہ:"عادت اس فعل کا نام ہے جو بار بار کرنے اور ہونے سے ایسے آسان ہو جائے جیسے طبیعت ہوتی ہے، اس لیے عادت کو فطرت ثانیہ بھی کہا جاتا ہے "

ان تمام معانی سے معلوم ہوتا ہے کہ عادت کے لغوی طور پر دو معانی مشہور ہیں :

ا۔لوٹنا ۲۔کسی عمل کو بار بار دہرانا

عرف وعادت کا باہمی تعلق :

ماہرین، قانونِ اسلامی اور اصولیین کے عرف وعادت کے مابین پائے جانے والے تعلق کے بارے میں تین اقوال ہیں :

اصولیین کا پہلا مؤقف یہ ہے کہ عرف وعادت کے درمیان کوئی خاص فرق نہیں اور یہ دونوں ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ یہ رائے ان اصولیین وفقہاء کی ہے جنہوں نے ان دونوں کی ایک ہی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے :

العادة والعرف مااستقر في النفوس وتلقته الطباع السليمة بالقبول[22]

ترجمہ:"یعنی عرف وعادت وہ ہے جو نفوس میں راسخ ہو جائے اور سلیم طبیعتوں کے لیے قابل قبول ہو "

ابن عابدینؒ کی رائے بھی یہی معلوم ہوتی ہے کہ عرف وعادت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ وہ فرماتے ہیں :

فالعادة والعرف بمعنى واحد من حيث المصداق، وإن اختلفا من حيث المفهوم[23]

ترجمہ:"عرف وعادت اپنے مصداق کے مطابق ہم معنی ہیں جبکہ مفہوم میں ایک دوسرے سے مختلف ہیں "

محمد الخضر حسین بھی عرف وعادت کو ایک ہی مفہوم میں خیال کرتے ہوئے فرماتے ہیں :

العرف والعادة مايغلب على الناس من قول أوفعل أوترك[24]

ترجمہ:"عرف وعادت وہ ہے جو لوگوں میں غالب ہو خواہ قول میں یا فعل میں یا ان کے ترک واجتناب میں "

استاد عبد الوہاب خلاف کے خیال میں بھی عرف وعادت کی ایک ہی تعریف ہے۔ جیسا کہ انہوں نے لکھا ہے :

العرف والعادۃ فی لسان الشرعیین لفظان مترادفان معناھما واحد[25]

ترجمہ:"عرف وعادت ماہرین شریعت کی زبان میں دو مترادف الفاظ ہیں جن کا ایک ہی معنی ہے"

عرف وعادت بطور فقہی ماخذ قانون

فقہاء نے اپنے مکتبہ فکر کے اصول وکلیات کو مد نظر رکھتے ہوئے فقہی قواعد کی ترتیب اور تعداد متعین کی ہے۔ اس طرح کچھ قواعد مخصوص فقہی مذاہب میں پائے جاتے ہیں جبکہ کچھ دیگر میں نہیں۔ تاہم بعض قواعد ایسے بھی ہیں جو تمام مذاہب میں معتبر اور مستند سمجھے جاتے ہیں، جنہیں قواعد کلیہ کہا جاتا ہے۔ ان کی تعداد بعض علماء کے ہاں پانچ اور بعض کے ہاں چھ ہے۔

یہ قواعد کلیہ ائمہ اربعہ کے اصول اجتہاد میں خاص اہمیت رکھتے ہیں، جن میں سے ایک معروف قاعدہ "العادۃ محکمۃ" ہے۔ یہ قاعدہ اتنا معتبر سمجھا جاتا ہے کہ قواعد کلیہ کی مختصر فہرست میں شامل ہو جاتا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ فقہی احکام میں حالات، زمانہ اور معاشرتی رواج (عرف وعادت) کی رعایت ایک قابل اعتماد اصول ہے۔

ایسے قواعد جن کی بنیاد عرف وعادت پر رکھی گئی ہے، ان پر تفصیلی بحث مجلۃ الأحکام العدلیۃ کی دفعات 36 تا 45 میں ملتی ہے، جبکہ ابن نجیم نے بھی اپنی کتاب الأشباہ والنظائر میں اس موضوع پر روشنی ڈالی ہے۔

عرف وعادت پر مبنی قواعد درج ذیل ہیں :[26]

١ العادۃُ مُحَکَّمۃٌ عادت اور معمولات شرعی حکم کے قیام کی بنیاد بن سکتے ہیں۔

٢ الحقیقۃُ تُترَکُ بِدَلَالَۃِ العَادَۃِ عادت کی دلالت کرنے پر حقیقت کو ترک کر دیا جائے گا۔

٣ اِستِعمَالُ النَّاسِ حُجَّۃٌ یَجِبُ العَمَلُ عام لوگوں کا عملی رواج بھی عمل کے لیے واجب الاطاعت ہے۔

٤ الممتنعُ عَادَۃً کالممتنعِ حَقِیقَۃً

جو کام عادت کے اعتبار سے منع ہو گا وہ حقیقی ممنوع کی طرح سمجھا جائے گا۔

5 لا یُنکَرُ تَغَیُّرُ الأَحکَامِ بِتَغَیُّرِ الزَّمَانِ

زمانے کے تبدیل ہو جانے سے احکامات کے بدل جانے کا انکار نہیں کیا جا سکتا۔

٦ اِنَّمَا تُعتَبَرُ العَادَۃُ اِذَا اطَّرَدَتْ اَوْ غَلَبَتْ عادت کا تب معتبر ہو گی جب کلی ہو یا وہ غلبہ پا چکی ہو۔

٧ العِبرَۃُ لِلغَالِبِ الشَّائِعِ لا لِلنَّادِرِ وہ عادت قابلِ اعتبار ہو گی جو عام ہو چکی ہو، نادر الوقوع صورت قابل اعتبار نہ ہو گی۔

٨ المَعرُوفُ عُرفًا کَالمَشرُوطِ شَرطًا عرف میں مشہور شے ایسے ہے جیسے کوئی طے شدہ شرط۔

٩ المَعرُوفُ بَینَ التُّجَّارِ کَالمَشرُوطِ بَینَھُم تجار کے یہاں جو بات عرف کا درجہ پا چکی ہو وہ بمنزلہ شرط متصور ہو گی۔

١٠ التَّعیِینُ بِالعُرفِ کَالتَّعیِینِ بِالنَّصِّ عرف کے ذریعے کسی چیز کا تعین ایسا ہی سمجھا جائے گا جیسا کہ نص کے ساتھ اسے متعین کیا گیا ہو۔

فقہاء کے نزدیک عرف وعادت

اسلامی فقہ میں اجتہاد اور عوامی رواج (عرف) کی اہمیت پر اکثریت علماء متفق ہے، تاہم گو ان کے اطلاق اور اس کی شرائط کے حوالے سے کچھ اختلافات پائے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں، مذہب احناف کے علماء کے مختلف نقطہ نظر درج ذیل ہیں

ابن نجیم مصری لکھتے ہیں "واعلم أن اعتبار العادۃ والعرف یرجع الیہ فی الفقہ فی مسائل کثیرہ حتی جعلوا ذلک أصلا[27]

(حقیقت یہ ہے کہ عام رواج اور معاشرتی عادات کی بنیاد پر کئی شرعی احکام قائم ہیں، اور بعض فقہاء نے اسے احکام کے اصل مصادر میں شمار کیا ہے)۔

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ علیہ سے روایت ہے کہ عرف شرعی مسائل کے استنباط کے لیے ایک معتبر فقہی معیار ہے۔ اسی طرح آپ کے بعض شاگرد اور فقہی ماخذ بھی اسی رائے کے حامل ہیں۔ البیری اپنی کتاب شرح الاشباہ والنظائر میں بیان کرتے ہیں کہ جو بات عرف سے ثابت ہو جائے، وہ شرعی دلیل کے برابر سمجھی جاتی ہے۔ امام

سرخی بھی اس کی تائید کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر کوئی مسئلہ عرف کے مطابق ثابت ہو جائے تو گویا وہ نص کے ذریعے ثابت ہوا ہے۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ نص کی غیر موجودگی میں بھی عرف کو اتنی ہی حیثیت حاصل ہے کہ اسے بطور معتبر دلیل تسلیم کیا جا سکتا ہے۔

قبل از اسلام عورت کی حیثیت اور معاشرے کا عرف :

دنیا کے مختلف معاشروں میں بنیادی خرابی اس امر سے پیدا ہوئی کہ عورت اور مرد کے درمیان تخلیقی طور پر امتیاز رکھا گیا اور عورت کو رسا ہمیشہ کم تر اور کم اہم سمجھا گیا جبکہ مرد برتر اور اہم حیثیت کا حامل رہا۔ یہی وجہ تھی کہ قبل از اسلام عورت کو اس کے بنیادی انسانی حقوق سے بھی محروم رکھا گیا، ظلم کی انتہا یہ تھی کہ لڑکی کو پیدا ہوتے ہی زندہ در گور کر دیا جاتا تھا، کیوں کہ اس کی پیدائش نہ صرف منحوس تصور کی جاتی تھی بلکہ باعث ذلت سمجھی جاتی تھی۔ قرآن مجید نے اس بھیانک منظر کی یوں عکاسی کی ہے :

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِالْاُنْثٰى ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ ۚ يَتَوَارٰى مِنَ الْقَوْمِ مِنْ سُوْۗءِ مَا بُشِّرَ بِهٖ ۭ اَيُمْسِكُهٗ عَلٰي هُوْنٍ اَمْ يَدُسُّهٗ فِي التُّرَابِ[28]

ترجمہ: "اور جب ان میں سے کسی کو بیٹی کے پیدا ہونے کی خبر ملتی ہے تو اس کا چہرہ غم کے سبب کالا پڑ جاتا ہے اور اس کے دل کو دیکھو تو وہ اندوہناک ہو جاتا ہے اور اس جز کی وجہ سے وہ لوگوں سے چھپتا پھرتا ہے اور سوچتا ہے کہ آیا ذلت برداشت کر کے لڑکی کو زندہ رہنے دے یا زمین میں دفنا دے "

دلچسپ امر یہ ہے کہ ایک طرف تو بعض عربوں کے یہاں یہ عقیدہ تھا کہ فرشتے خدا کی بیٹیاں ہیں اور ان کی سفارش سے مشکلات حل ہوتی ہیں، تو دوسری طرف وہ انہی بیٹیوں سے نجات حاصل کرنے کے درپے رہتے اور انہیں شدید ذہنی، اخلاقی اور جسمانی دباؤ میں رکھتے۔ قرآن حکیم نے ان کے اس رویے پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا :

وَاِذَا بُشِّرَ اَحَدُهُمْ بِمَا ضَرَبَ لِلرَّحْمٰنِ مَثَلًا ظَلَّ وَجْهُهٗ مُسْوَدًّا وَّهُوَ كَظِيْمٌ[29]

ترجمہ: "اور جب ان میں سے کسی کو اس چیز کی خوشخبری دی جاتی ہے، جو انہوں نے اللہ کے لیے بیان کی ہے تو اس کا منہ سیاہ ہو جاتا ہے اور وہ غم سے بھر جاتا ہے"

دارمی کی ایک معروف روایت میں ہے جس میں ایک شخص نے بتایا کہ وہ زمانہ جاہلیت میں کس طرح اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کرتے تھے[30]

قبیلہ بنی تمیم کے رئیس قیس بن عاصم جب اسلام لائے تو انہوں نے بھی لڑکیوں کو زندہ در گور کرنے کا اپنا واقعہ سنایا۔ تفسیر ابن جریر میں ہے :

عن قتادہ، قال : جاء قیس بن عاصم التمیمی إلی النبیﷺ فقال : إنی وأدت ثمانی بنات فی الجاہلیۃ، قال، فاعتیق عن کل واحدۃٍ جدنۃ[31]

ترجمہ: "قتادہ روایت کرتے ہیں کہ قیس بن عاصم آنحضرت ﷺ کے پاس آئے اور کہا کہ میں نے اپنے ہاتھ سے آٹھ لڑکیاں زندہ دفن کی ہیں زمانہ جاہلیت میں، آپ ﷺ نے فرمایا ہر لڑکی کے کفارہ میں ایک اونٹ قربانی کرو "

عربوں میں مرد کے لیے عورتوں کی کوئی قید نہ تھی، بھیڑ بکریوں کی طرح جتنی چاہتا، عورتوں کو شادی کے بندھن میں باندھ لیتا تھا۔ کتب احادیث میں ان اشخاص کا ذکر موجود ہے جو قبول اسلام سے پہلے چار سے زیادہ بیویاں رکھتے تھے۔ ان میں سے ایک واقعہ درج کیا جاتا ہے :

عن حارث بن قیس قال: اسلمت وعندی ثمان نسوۃ، فذکرت ذلک النبی ﷺ، فقال النبی ﷺ اختر منہن اربعاً[32]

ترجمہ: "حارث بن قیس کہتے ہیں کہ میں اسلام لایا تو میری آٹھ بیویاں تھیں، میں نے نبی ﷺ سے اس کا ذکر کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا ان میں سے چار کو اختیار کر لو "

عربوں میں عورتوں اور بچوں کو میراث سے ویسے ہی محروم رکھا جاتا تھا اور لوگوں کا نظریہ یہ تھا کہ میراث کا حق صرف ان مردوں کو پہنچتا ہے جو لڑنے اور کنبے کی حفاظت کرنے کے قابل ہوں، اس کے علاوہ مرنے والوں کے وارثوں میں جو زیادہ طاقت ور اور با اثر ہوتا تھا وہ بلا تامل ساری میراث سمیٹ لیتا تھا۔

عبدالرحمٰن خان صاحب کے بقول :

"

بلاد عرب کے حالات بھی یورپ سے کچھ زیادہ مختلف نہ تھے، وہاں بھی عورتیں دوسرے مال منقولہ کی طرح مرد کی ملکیت سمجھی جاتی تھی، اس کی حیثیت بالکل چوپائیوں کی سی تھی اور چوپائیوں کے ساتھ ہی اکثر جہیز میں دی جاتی تھی، اسے محض لذت کشی کا آلہ تصور کیا جاتا تھا، ناجائز تعلقات کی وسعت کی وجہ سے موجودہ یورپ کی طرح وہاں کا نظام بھی درہم برہم ہو چکا تھا، ان کا طرزِ نکاح بے غیرتی کا پورا آئینہ تھا "[33]

عرب میں عورت کو ذلیل کرنے اور اسے تنگ کرنے کے لیے ایک طریقہ یہ بھی تھا کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو گھر سے نکالنا چاہتا تو ایسے نکالتا کہ نہ اسے طلاق یعنی آزادی دیتا اور نہ ہی گھر میں بحیثیت بیوی کے اپنے پاس رکھتا، جناب عبدالصمد صارم کے بقول :

" عرب میں عورت ایک شے قابل استعمال سمجھی جاتی تھی، تعداد ازدواج کی کوئی حد مقرر نہ تھی، بعض شریر، عورتوں کو برسوں معلقہ کرکے رکھتے تھے، ترکہ میں عورت کا کوئی حق نہ تھا، وہ کسی چیز کی مالک نہ تھی[34] "

قرآن عظیم کی درج آیت ایسے ہی موقع کے بارے میں تری ہے :

فَلَا تَمِيْلُوْا كُلَّ الْمَيْلِ فَتَذَرُوْهَا كَالْمُعَلَّقَةِ[35]

ترجمہ :" اسے معلق نہ رکھو یا تو اچھی طرح حسنِ معاشرت کرو یا اچھی طرح رخصت کردو "

مستدرک حاکم میں بھی ایک روایت مذکورہ بالا رسم کے ثبوت میں ملتی ہے :

عرب معاشرے میں بالشبہ بعض اوقات عورت کا کردار بڑی اہمیت کا حامل ہو جاتا تھا لیکن مجموعی طور پر وہ کبھی بھی حاکم یا مالکہ نہ بن سکتی تھی بلکہ اپنی زندگی کے سفر کا فیصلہ بھی خود نہ کرسکتی تھی، مولانا صفی الرحمٰن مبارک پوری نے اس حوالے سے خوبصورت عکاسی کی ہے۔ لکھتے ہیں :

" بسا اوقات عورت چاہتی تو قبائل کو صلح کے لیے اکٹھا کر دیتی اور چاہتی تو ان کے درمیان جنگ اور خونریزی کے شعلے بھڑکا دیتی، لیکن ان سب کے باوجود بلانزاع مرد ہی کو خاندان کا سربراہ مانا جاتا تھا اور اس کی بات فیصلہ کن ہوا کرتی تھی.......... عورت کو یہ حق نہ تھا کہ ان (اولیاء) کی ولائت کے بغیر اپنے طور پر اپنا نکاح کرلے[36] "

ان کی جاہلانہ رسوم میں سے ایک رسم ایسی بھی تھی جس سے عورت کی بے بسی کے ساتھ ساتھ اس پر بداعتمادی کا کھلا اظہار ہوتا ہے، وہ رسم یہ تھی کہ جب کوئی سفر پر جاتا تو ایک دھاگا کسی درخت کی ٹہنی کے ساتھ باندھ دیتا یا اس کے تنے کے ارد گرد لپیٹ دیتا، جب سفر سے واپس آتا تو اس دھاگے کو دیکھتا، اگر وہ صحیح سلامت ہوتا تو وہ سمجھتا کہ اس کی بیوی نے اس کی غیر حاضری میں کوئی خیانت نہیں کی اور اگر وہ اسے ٹوٹا ہوا یا کھلا ہوا پاتا تو خیال کرتا کہ اس کی بیوی نے اس کی غیر حاضری میں بدکاری کا ارتکاب کیا ہے، اس دھاگے کو " الرتم " کہا جاتا۔[37]

اسلام میں عورت کا مقام :

خطبہ حجۃ الوداع جو انسانی حقوق کا بنیادی اور عالمی منشور ہے، اس میں آپؐ نے خواتین کے حقوق ادا کرنے کی خاص تاکید فرمائی، یہ خطبہ پیغمبر علیہ السلام کی زندگی کے آخری حصے میں پیش کیا گیا اور یہ تمام تر اسلامی تعلیمات کا نچوڑ سمجھا جاتا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

استوصوا بالنساء خيرا فإنهن عندكم عوان ليس تملكون منهن شيئا غير ذلك إلا أن يأتين بفاحشة مبينة فإن فعلن فاهجروهن في المضاجع واضربوهن ضربا غير مبرح فإن أطعنكم فلا تبغوا عليهن سبيلا إن لكم من نسائكم حقا ولنسائكم عليكم حقا فأما حقكم على نسائكم فلا يوطئن فرشكم من تكرهون ولا يأذن في بيوتكم لمن تكرهون ألا وحقهن عليكم أن تحسنوا إليهن في كسوتهن وطعامهن[38]

ترجمہ :" عورتوں کے ساتھ نیک سلوک کرنے کے بارے میں میری وصیت کو قبول کرو۔ وہ تمہارے قبضہ میں ہیں۔ تم کو اس کے علاوہ ان پر کوئی اختیار نہیں۔ مگر یہ کہ وہ کھلی بے حیائی کے ساتھ آئیں۔ پھر اگر وہ ایسا کریں تو ان کو اتنا مارو جو تکلیف دہ نہ ہو۔ پھر اگر وہ تمہاری تابعداری کریں تو ان پر کوئی راستہ تلاش نہ کرو۔ بے شک تمہارے لئے تمہاری عورتوں میں سے حق ہے اور تمہاری عورتوں کے لئے تم پر حق ہے۔ جہاں تک تمہاری عورتوں پر تمہارا حق ہے وہ تمہارے بستر کو نہ

روندوائیں، جسے تم ناپسند کرتے ہو۔اور تمہارے گھروں میں اس شخص کو اجازت نہ دیں جس کو تم ناپسند کرتے ہو۔ خبر دار رہو اور ان عورتوں کا حق تم پر ہے کہ تم ان کے ساتھ ان کے پہننے اور ان کے کھانے میں احسان کرو "

فلسفہ حقوق، اسلامی نقطہ نظر اور مغرب :

اسلام نے مغرب سے کئی سو سال پہلے انسانوں کو ان کے جائز حقوق اور اپنے فرائض ادا کرنے کا حکم دیا۔ مغربی دنیا میں "میگنا کارٹا" انسانی حقوق کی پہلی باضابطہ دستاویز تھی۔ جس میں بادشاہوں اور جاگیرداروں کے علاوہ کچھ عام لوگوں کے حقوق بھی مقرر کیئے گئے۔ انقلاب فرانس (۱۸۷۹ء) کے نتیجے میں تیار ہونے والی دستاویز "انسانی حقوق کا اعلامیہ (Declaration of the rights of man)" اس سلسلہ کی دوسری دستاویز ہے۔ جس کی رو سے تمام اختیارات معاشرہ کو منتقل ہو چکے ہیں۔ معاشرہ یا اس کے منتخب نمائندے بااختیار ہوں گے۔ اقوام متحدہ کا انسانی حقوق کا چارٹر تیسری اہم دستاویز ہے۔ "میگنا کارٹا" مغرب میں انسانی حقوق کا آغاز تھا جبکہ اقوام متحدہ میں انسانی حقوق کا چارٹر انسانی حقوق کا اختتام ہے۔ میگنا کارٹا ۱۲۱۵ء میں پیش ہوئی جبکہ اقوام متحدہ کا چارٹر برائے انسانی حقوق ۱۹۴۸ء میں منظور ہوا مغربی انسانی حقوق کی تاریخ صرف سات صدیوں پر محیط ہے۔

ڈاکٹر سلیمان بن عبد الرحمٰن الحقیل "اسلام میں حقوق کی حیثیت" بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ میں بیان شدہ انسانی حقوق ابدی ہیں وہ تراش خراش اور ترمیم و تنسیخ اور التوا کو قبول نہیں کرتے۔ وہ ایسے حقوق ہیں جنہیں اللہ نے مشروع کیا ہے کسی بشر کو خواہ وہ کوئی بھی ہو یہ حق نہیں کہ وہ انہیں معطل کرے یا انہیں پامال کرے اور نہ ہی ان کی ذاتی حفاظت ساقط ہو سکتی ہے۔ نہ تو کسی فرد کے دست بردار ہونے کے ارادے سے اور نہ ہی تنظیموں کی شکل میں موجود معاشرے کی مرضی سے۔ ان کا مزاج خواہ کیسا ہو اور خواہ قوتیں انہیں کیا سمجھیں ہوں[39] "

عورتوں کے حقوق کے تعین میں عرف وعادت کی تاثیر

انسانی تاریخ کے مختلف ادوار میں عورتوں کے حقوق کا تعین صرف قانونی نظاموں یا مذہبی تعلیمات کے ذریعے نہیں ہوا بلکہ معاشرتی رسم و رواج، عرف اور عادات نے بھی اس میں گہرا اثر ڈالا ہے۔ معاشروں میں عورت کے مقام، اس کے حقوق و فرائض اور اس کے کردار کا تصور انہی روایتی اقدار سے جنم لیتا رہا ہے جو نسل در نسل منتقل ہوتی رہی ہیں۔ یہی عرف وعادت اکثر عورت کی تعلیم، روزگار، جائیداد کے حقوق اور سماجی شرکت کی حدود طے کرتی ہیں۔ اس لیے یہ سمجھنا نہایت اہم ہے کہ رسم و رواج عورتوں کے حقوق کے تعین میں کس طرح اثر انداز ہوتے ہیں اور یہ اثرات معاشرتی ترقی یا پسماندگی میں کیا کردار ادا کرتے ہیں۔

تاریخی پس منظر

قدیم زمانے میں جب قوانین کی تدوین نہیں ہوئی تھی تو معاشرتی نظم وضبط کا انحصار رسم و رواج پر تھا۔ انہی عرفی اصولوں کے تحت مرد و عورت کے حقوق و فرائض طے کیے جاتے تھے۔ مثال کے طور پر قدیم روم میں Patria Potestas کے قانون کے تحت مرد کو خاندان پر مکمل اختیار حاصل تھا اور عورت کو خود مختاری کے محدود مواقع میسر تھے۔ اسی طرح قبل از اسلام عرب معاشرہ قبائلی روایات کے تابع تھا، جہاں عورت کو وراثت اور جائیداد میں کوئی حق حاصل نہ تھا اور اسے محض ایک مرد کی ملکیت سمجھا جاتا تھا۔

وقت کے ساتھ مذہبی اور فکری تحریکوں نے ان غیر منصفانہ روایات کو چیلنج کیا۔ اسلام، عیسائیت اور دیگر مذاہب نے عورت کے مقام کو از سرِ نو متعین کیا، مگر اکثر اوقات مذہبی تعلیمات کے باوجود سماجی رسم و رواج نے ان حقوق کے عملی نفاذ کو محدود رکھا۔ یہی تضاد آج بھی کئی معاشروں میں خواتین کے مسائل کی جڑ ہے۔

رسم ورواج کا دوہرا کردار

رسم ورواج بذاتِ خود ظلم یا امتیاز کا ذریعہ نہیں ہوتے؛ یہ معاشرتی سیاق وسباق کے مطابق مثبت یا منفی کردار ادا کر سکتے ہیں۔ کئی قدیم معاشروں میں عورت کو نمایاں سماجی اور روحانی حیثیت حاصل تھی۔ مثلاً افریقہ کے اکان (Akan) یا شمالی امریکا کے اَیروکوئیس (Iroquois) قبائل میں نسب کا سلسلہ ماں سے چلتا تھا اور عورتوں کو معاشرتی فیصلوں میں کلیدی کردار حاصل تھا۔

اس کے برعکس، پدرشاہی (Patriarchal) معاشروں میں انہی رسم ورواج کو عورتوں کو عورتوں کے خلاف امتیاز کے جواز کے طور پر استعمال کیا گیا۔ جہیز، پردہ، کم عمری میں شادی، اور لڑکوں کو ترجیح دینے جیسے رواج ایسے ہیں جو عورتوں کو تعلیم، معاشی خود مختاری اور فیصلہ سازی سے محروم رکھتے ہیں۔ اس طرح کی روایات، اگرچہ ثقافتی ورثے کے نام پر جاری ہیں، درحقیقت صنفی نابرابری کو مضبوط کرتی ہیں۔[40]

قانونی وسیاسی حقوق پر اثرات

دنیا کے کئی ممالک میں جدید قوانین کے باوجود عرفی نظامِ قانون (Customary Law) اب بھی طاقتور حیثیت رکھتا ہے۔ خاص طور پر افریقہ اور جنوبی ایشیا میں روایتی قوانین نکاح، طلاق، اور وراثت کے معاملات پر غالب ہیں۔ اس دوہری قانونی صورتِ حال میں عورت کو اکثر انصاف سے محروم کر دیا جاتا ہے۔

پاکستان، بھارت اور بنگلہ دیش جیسے ممالک میں دیہی علاقوں کے جرگے اور پنچایتیں اکثر ریاستی عدالتوں سے زیادہ مؤثر سمجھی جاتی ہیں، لیکن ان کے فیصلے عموماً عورتوں کے بنیادی حقوق کے خلاف ہوتے ہیں۔ ان میں "عزت"، "روایت" اور "غیرت" کو قانونی انصاف پر ترجیح دی جاتی ہے۔ اگرچہ ان نظاموں کو ثقافتی ورثہ قرار دیا جاتا ہے، مگر یہ بین الاقوامی انسانی حقوق کے اصولوں اور ملکی آئین کی روح سے متصادم ہیں۔

ثقافتی تصورات اور صنفی کرداروں کی تشکیل

رسم ورواج بچپن ہی سے لڑکے اور لڑکی کے کرداروں کو متعین کر دیتے ہیں۔ اکثر معاشروں میں لڑکیوں کو اطاعت گزار، نرم مزاج اور گھریلو کاموں کے لیے تیار کیا جاتا ہے، جبکہ لڑکوں کو خود مختار، فیصلہ کن اور طاقتور سمجھا جاتا ہے۔ یہ سماجی تربیت عورتوں کی خود اعتمادی اور ترقی کی خواہش کو محدود کر دیتی ہے۔

کئی مشرقی، افریقی اور جنوبی ایشیائی ثقافتوں میں لڑکیوں کی اعلیٰ تعلیم یا ملازمت کو نامناسب سمجھا جاتا ہے۔ اسی طرح لباس، نقل وحرکت اور عوامی سرگرمیوں پر پابندیاں "روایت" کے نام پر مردانہ بالادستی کو قائم رکھتی ہیں۔[41]

مذہبی تعلیمات اور عرفی رواج

یہ فرق سمجھنا نہایت ضروری ہے کہ مذہب اور رسم ورواج میں حدِ فاصل کہاں ہے۔ بہت سے ایسے مظالم جو عورتوں پر روا رکھے جاتے ہیں، دراصل مذہب نہیں بلکہ ثقافتی عادات کا نتیجہ ہیں جنہیں مذہبی رنگ دے دیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر اسلام نے عورت کو وراثت، تعلیم، اور روزگار کے حقوق صدیوں قبل عطا کیے، لیکن مسلم معاشروں میں قبائلی اور پدرشاہی روایات نے ان حقوق کو محدود کر دیا۔

اسی طرح ہندو معاشرے میں ستی جیسی رسم یا عیسائی یورپ میں عورتوں کو جائیداد سے محروم رکھنا مذہب کی اصل تعلیمات نہیں بلکہ روایتی سماجی تصورات کا نتیجہ تھا۔ اس طرح ہر مذہب میں یہ مسئلہ رہا ہے کہ روایات نے مذہبی اصولوں کو اپنے مفاد میں ڈھال لیا۔

عصرِ حاضر کے چیلنجز اور اصلاحات

عالمی سطح پر تعلیم، میڈیا اور انسانی حقوق کی تحریکوں نے ان پرانے رسم و رواج کو چیلنج کیا ہے جو عورتوں کے خلاف امتیاز کو فروغ دیتے ہیں۔ خواتین کی آزادی کی عالمی تحریکیں اور اقوامِ متحدہ کا معاہدہ CEDAW (Convention on the Elimination of All Forms of Discrimination Against Women) اس سلسلے میں نمایاں مثالیں ہیں۔

افریقہ کے کئی ممالک نے وراثت سے متعلق قوانین میں ترمیم کر کے عورتوں کو برابر حقوق دیے ہیں۔ جنوبی ایشیا میں جہیز، غیرت کے نام پر قتل، اور کم عمری کی شادی کے خلاف مہمات جاری ہیں۔ مشرقِ وسطیٰ میں عورتوں کے حقوق کی تنظیمیں مذہبی و ثقافتی تصورات کی نئی تعبیرات پیش کر رہی ہیں تاکہ مساوات اور انصاف کے تقاضوں سے ہم آہنگ معاشرہ تشکیل دیا جا سکے۔

تاہم، ایسے اصلاحی اقدامات کو اکثر قدامت پسند طبقات کی طرف سے مزاحمت کا سامنا ہوتا ہے، جو انہیں "ثقافتی شناخت" کے خلاف سمجھتے ہیں۔ یہی کشمکش دراصل روایت اور جدیدیت کے درمیان جاری جدوجہد کی علامت ہے۔

تعلیم اور شعور کی اہمیت

تعلیم وہ بنیادی قوت ہے جو رسم و رواج کی منفی گرفت کو کمزور کر سکتی ہے۔ جب معاشرہ علم و شعور سے آراستہ ہوتا ہے تو وہ یہ فرق پہچاننے لگتا ہے کہ کون سی روایات ثقافتی شناخت کا حصہ ہیں اور کون سی صنفی امتیاز کو قائم رکھتی ہیں۔ تعلیم یافتہ عورت اپنے حقوق کا بہتر دفاع کر سکتی ہے، اور بیداری کی مہمات سماج کو انصاف پر مبنی روایت سازی کی طرف لے جا سکتی ہیں۔[42]

عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں عرف وعادت کے مثبت اثرات

عرف وعادت انسانی معاشروں کی تشکیل میں ہمیشہ ایک اہم کردار ادا کرتے آئے ہیں۔ یہ وہ فریم ورک ہیں جن کے ذریعے اخلاقی اقدار، سماجی رویے، اور اجتماعی اصول ایک نسل سے دوسری نسل تک منتقل ہوتے ہیں۔ اگرچہ اکثر روایات اور عادات پر تنقید کی جاتی ہے کہ وہ صنفی عدم مساوات کو فروغ دیتی ہیں، لیکن یہ بھی اتنا ہی ضروری ہے کہ ہم ان کے مثبت پہلوؤں کو تسلیم کریں—خاص طور پر ان کے اس کردار کو جو عورتوں کے حقوق کے استحکام، تحفظ اور فروغ میں مدد دیتا ہے۔

بہت سی ثقافتوں میں یہ عادات عورتوں کے وقار، اخلاقی تحفظ، اور سماجی شمولیت کا ذریعہ بنتی ہیں۔ اس مثبت پہلو کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم دیکھیں کہ روایت اور ثقافت کس طرح قانونی اور ادارہ جاتی اقدامات کے ساتھ مل کر صنفی برابری کو مضبوط بنا سکتی ہیں۔

1. عورت کی اخلاقی و سماجی عزت کا تحفظ

عرف وعادت کا سب سے بڑا مثبت اثر عورتوں کی اخلاقی اور سماجی عزت کے تحفظ میں نظر آتا ہے۔ بہت سے معاشروں میں ثقافتی اصول عورت کے احترام، اس کے تحفظ، اور اس کی عفت و عصمت کے خیال رکھنے پر زور دیتے ہیں۔

جنوبی ایشیا اور مشرقِ وسطیٰ کی روایات میں عورت کو خاندان کی عزت و غیرت کی علامت سمجھا جاتا ہے۔ یہ تصورات مردوں کو عورتوں کے ساتھ نرمی، عزت اور ادب سے پیش آنے کی ترغیب دیتے ہیں، اور معاشرتی حدود قائم کرتے ہیں جو بدتمیزی اور استحصال سے روکتی ہیں۔

مزید برآں، جب پردے، خاندانی ڈھانچے، اور باہمی احترام جیسے روایتی اصول توازن کے ساتھ اپنائے جائیں تو وہ اخلاقی نظم و ضبط اور باوقار سماجی ماحول کو فروغ دیتے ہیں۔ اس طرح عورت کو محض اقتصادی یا جسمانی وجود کے بجائے ایک اخلاقی و سماجی قدر کے طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

. خاندانی اور سماجی ڈھانچے کے ذریعے تحفظ

روایات سے وابستہ خاندانی اور برادری پر مبنی نظام عورتوں کو تحفظ اور استحکام فراہم کرتے ہیں۔
کئی معاشروں میں عورت کو وسیع خاندانی نیٹ ورک کا سہارا حاصل ہوتا ہے جو اسے مالی مدد، جذباتی سہارا، اور معاشرتی تحفظ فراہم کرتا ہے۔

جنوبی ایشیا کے روایتی مشترکہ خاندانی نظام میں عورت کو زچگی کے دوران دیکھ بھال، بیوگی میں سہارا، اور بچوں کی پرورش میں مدد حاصل ہوتی ہے۔ خاندان کی بزرگ عورتیں نوجوان نسل کی رہنمائی کرتی ہیں، انہیں اخلاقی تعلیم دیتی ہیں، اور ان کے لیے تجربے کا خزانہ ہوتی ہیں۔
اگرچہ جدید معاشرہ انفرادیت پر زور دیتا ہے، پھر بھی روایتی خاندانی نظام عورتوں کے لیے ایک قدرتی سوشل سیکیورٹی کا کردار ادا کرتے ہیں۔

.3 ثقافتی تسلسل میں عورت کا کردار

روایات عورت کو ثقافتی ورثے کی امین تسلیم کرتی ہیں۔
یہ کردار کسی پابندی کی علامت نہیں بلکہ اس کے فکری اور جذباتی اثر و رسوخ کا اعتراف ہے۔
عورتیں بچوں کو زبان، تہذیب، اور اخلاقی اقدار سکھاتی ہیں، تہواروں میں حصہ لیتی ہیں، اور روایتوں کو آگے بڑھاتی ہیں۔ اس طرح وہ معاشرے کی پہچان اور یکجہتی کو قائم رکھتی ہیں۔
افریقہ اور ایشیا کے کئی معاشروں میں عورتیں لوک روایات، شاعری، گیت، اور کہاوتوں کی محافظ ہیں۔ ان سرگرمیوں سے وہ استاد، مربی اور رہنما کا مقام حاصل کرتی ہیں، جس سے ان کی سماجی حیثیت اور عزت میں اضافہ ہوتا ہے۔

.4 ثقافت کے ذریعے بااختیاری (Empowerment)

روایات عورتوں کے لیے اختیارات اور خودمختاری کے منفرد راستے بھی فراہم کرتی ہیں۔
مثلاً روایتی دستکاری، کڑھائی، برتن سازی، اور زیورات بنانے جیسے ہنر عورتوں کو مالی آزادی دیتے ہیں، وہ بھی ایسے طریقے سے جو ثقافتی طور پر قابلِ قبول ہو۔
آج کئی دیہاتی علاقوں میں یہی روایتی ہنر عورتوں کے لیے آمدنی کا ذریعہ اور خود اعتمادی کا باعث ہیں۔
اسی طرح مقامی رسموں، خواتین کی محفلوں، اور مذہبی انجمنوں کے ذریعے عورتوں کو اپنی آواز بلند کرنے، خاندانی تنازعات میں ثالثی کرنے، اور فیصلوں میں حصہ لینے کا موقع ملتا رہا ہے۔
بعض مسلم، افریقی اور ایشیائی معاشروں میں یہی روایتیں تعلیم، وراثت، اور قانونی حقوق کے فروغ کی تحریکات میں ڈھل چکی ہیں۔
.5 حقوق اور ثقافت کے درمیان توازن
عورتوں کے حقوق کے فروغ میں ایک اہم پہلو ثقافتی مطابقت کا ہے۔
روایات اس بات میں مدد دیتی ہیں کہ عالمی انسانی حقوق کو مقامی سماجی شناخت کے ساتھ ہم آہنگ کیا جا سکے۔
جب عورتوں کے حقوق کو اس انداز میں سمجھا اور نافذ کیا جائے جو ثقافتی طور پر قابلِ قبول ہو، تو وہ معاشرے میں زیادہ دیرپا اور مؤثر ثابت ہوتے ہیں۔
مثلاً اسلامی روایات میں عورت کے ساتھ عدل، احترام، اور شفقت کا درس دیا گیا ہے۔
جب معاشرتی رسمیں انہی اصولوں سے ہم آہنگ ہوں تو وہ عورتوں کے حقوق کو مضبوط کرتی ہیں۔
اسی طرح افریقی رسموں میں عورت کے وراثتی حقوق اور زمین کے استعمال کے اصولوں کو مقامی سطح پر نافذ کر کے انصاف کے جدید تصورات سے ہم آہنگ کیا گیا ہے۔

یوں روایت ایک پل (bridge) کا کردار ادا کر سکتی ہے جو جدید قانون اور سماجی قبولیت کے درمیان ہم آہنگی پیدا کرتا ہے۔

.6 سماجی یکجہتی اور باہمی ذمہ داری

عرف وعادت میں باہمی تعاون اور اجتماعی ذمہ داری کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔

یہ خصوصاً عورتوں کے لیے اس وقت مددگار ثابت ہوتا ہے جب وہ بیماری، بیوگی یا مالی مشکلات میں مبتلا ہوں۔

روایتی دیہاتی معاشروں میں ہمسائے اور رشتہ دار کھانا بانٹتے ہیں، بچوں کی دیکھ بھال میں مدد دیتے ہیں، یا مشکل وقت میں سہارا بنتے ہیں۔

ایسے سماجی تعلقات عورت کے بوجھ کو کم کرتے ہیں اور جذباتی سکون فراہم کرتے ہیں۔

جدید انفرادی معاشروں میں اگرچہ قانون کی شکل میں حقوق دستیاب ہیں، مگر ایسی غیر رسمی سماجی مدد کی کمی عورتوں کو تنہائی میں دھکیل دیتی ہے۔

لہٰذا روایت کے یہ پہلو معاشرتی بہبود کے قدرتی نظام کے طور پر کام کرتے ہیں۔[43]

.7 روحانی اور اخلاقی کردار کی پہچان

- کئی مذاہب اور ثقافتوں میں عورت کو روحانی اور اخلاقی مرکز مانا جاتا ہے۔
- ماں، معلمہ، اور ناصحہ کے کردار میں عورت کو شفقت، دانائی اور پاکیزگی کی علامت سمجھا جاتا ہے۔
- اسلام، ہندومت اور عیسائیت تینوں میں عورت کے تربیتی اور اخلاقی کردار کو بلند مقام دیا گیا ہے۔
- یہ کردار دراصل عورت کے سماجی اثر و رسوخ کا اعتراف ہیں، کیونکہ وہ اخلاقی معاشرے کی بنیاد رکھتی ہے۔
- جب ان روایات کو توازن اور عدل کے ساتھ سمجھا جائے تو یہ عورت کے لیے طاقت کا ذریعہ بن جاتی ہیں، نہ کہ پابندی کا۔

.8 روایت اور جدیدیت کے درمیان توازن

- جدیدیت اگرچہ آزادی اور برابری لاتی ہے، لیکن اکثر اخلاقی خلا اور سماجی تنہائی بھی پیدا کرتی ہے۔
- روایت اس خلا کو پُر کرتی ہے اور حقوق کو اخلاقی بنیادوں سے جوڑتی ہے۔
- عورتوں کے لیے اس کا مطلب ہے کہ ان کے حقوق احترام، ذمہ داری اور برادری کے احساس کے ساتھ منسلک رہیں۔
- شوہروں کے باہمی احترام، والدین کی خدمت، اور حیا جیسے تصورات جب متوازن انداز میں اپنائے جائیں تو وہ معاشرتی ہم آہنگی پیدا کرتے ہیں، عورت کو تحفظ دیتے ہیں، اور خاندان کو مستحکم رکھتے ہیں۔
- یوں روایت دراصل انسانی قدروں کی محافظ ہے جو عورت کو محدود نہیں بلکہ معاشرے کو مہذب بناتی ہے۔
- عرف وعادت، اگر انہیں دانش اور انصاف کے ساتھ سمجھا جائے، تو وہ عورتوں کے حقوق کی مضبوط محافظ بن سکتی ہیں۔
- یہ اخلاقی تحفظ، سماجی استحکام، ثقافتی طاقت، اور احساسِ وابستگی فراہم کرتی ہیں ـــ وہ سب کچھ جو محض قانونی نظام نہیں دے سکتا۔
- چیلنج یہ نہیں کہ روایات کو ختم کیا جائے بلکہ یہ ہے کہ انہیں انسانی اقدار، خصوصاً برابری، وقار اور احترام کے اصولوں کے مطابق ڈھالا جائے۔
- جب روایات عورت کی انفرادیت اور کردار کو عزت دینے لگتی ہیں تو وہ دباؤ کا نہیں بلکہ طاقت اور وقار کا ذریعہ بن جاتی ہیں۔
- یوں عورتوں کے حقوق کے سلسلے میں عرف وعادت کے مثبت اثرات جامد رسموں میں نہیں بلکہ اس زندہ اخلاقی بصیرت میں پوشیدہ ہیں جو انسانیت کو جوڑتی ہے اور عورت کو تہذیب کا ستون بناتی ہے۔

عرف وعادت کے منفی اثرات

.1 غیرت کے نام پر قتل اور کاروکاری

غیرت کے نام پر قتل، جسے سندھ میں کاروکاری کہا جاتا ہے، ایک سماجی جرم ہے جس میں مرد یا عورت کو محض خاندان کی عزت بحال کرنے کے بہانے قتل کر دیا جاتا ہے، عموماً بغیر کسی ثبوت یا عدالتی کارروائی کے۔

اکثر کاروکاری کے مقدمات ذاتی دشمنیوں، زمین جائیداد کے جھگڑوں یا مردانہ برتری کے احساس سے جنم لیتے ہیں۔ مردان الزامات کو استعمال کر کے دشمنوں کو ختم کرنے یا عورتوں پر کنٹرول قائم رکھنے کا ذریعہ بناتے ہیں۔[44]

.2 جبری شادی اور زبردستی فروخت یا اسمگلنگ

دیہی معاشروں میں عورتوں کو جبراً شادی یا ونی اور سوارہ جیسے رسموں کے تحت معاوضے کے طور پر دیا جاتا ہے، جہاں لڑکی کو ملکیت سمجھا جاتا ہے۔ یہ عمل انسانی حقوق اور ملکی قانون دونوں کی کھلی خلاف ورزی ہے۔

.3 ازدواجی تعلقات میں شبہ کی بنیاد پر تشدد یا قتل

بے بنیاد شبہات کی وجہ سے عورتوں کو شدید تشدد یا قتل کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ یہ رویہ مردانہ تسلط پر مبنی اس سوچ کی عکاسی کرتا ہے جو عورت کو اعتماد، آزادی اور نجی زندگی کا حق نہیں دیتی۔

.4 کاروکاری اور دیگر الزامات میں ملوث گروہوں کا کردار

قبیلائی سردار، جرگے اور بااثر افراد اکثر کاروکاری جیسے واقعات میں شامل ہوتے ہیں۔ یہ ادارے انصاف فراہم کرنے کے بجائے ظلم کو جائز قرار دے کر غیر قانونی فیصلوں کو مضبوط کرتے ہیں۔[45]

.5 ملزم کی بے گناہی ثابت کرنے کے روایتی طریقے

کاروکاری کے الزامات میں ملوث عورتوں سے قرآن پر حلف دلوانا، عوامی بے عزتی کرانا یا خطرناک رسموں سے گزارنا عام ہے۔ یہ تمام طریقے انصاف کے اصولوں سے متصادم اور غیر قانونی ہیں۔

.6 سردار، جرگہ یا پنچایت کی غیر قانونی فیصلے سازی

یہ غیر رسمی ادارے آئینی اور عدالتی نظام کو نظرانداز کر کے غیر قانونی فیصلے صادر کرتے ہیں۔ ان کے فیصلے خواتین کے حقوق کو پامال کرتے اور انصاف کے تصور کو کمزور بناتے ہیں۔

.7 کاروکاری کے نتیجے میں قتل، غلامی اور فروخت کے واقعات

جھوٹے الزامات کے بعد کئی عورتوں کو قتل کر دیا جاتا ہے، یا انہیں بطور تاوان فروخت کر دیا جاتا ہے۔ یہ واقعات دکھاتے ہیں کہ کیسے رسم و رواج کو مالی اور ذاتی مفادات کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

.8 عورتوں اور ان کے رشتہ داروں پر سماجی دباؤ اور الزامات

کاروکاری کے مقدمات میں متاثرہ خاندان کو سماجی بائیکاٹ، بدنامی اور ذہنی اذیت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ بے گناہ عورتیں قید یا تنہائی کی زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی ہیں، جبکہ ان کے اہل خانہ معاشی نقصان اٹھاتے ہیں۔

.9 وراثت کے حق سے محرومی

کئی خواتین کو خاندانی یا قبائلی دباؤ کے تحت ان کے شرعی حقِ وراثت سے محروم رکھا جاتا ہے۔ بعض اوقات جائیداد کی تقسیم روکنے کے لیے عورتوں کو "کاری" قرار دے دیا جاتا ہے یا انہیں شادی سے روکا جاتا ہے۔

جبری یا زبردستی شادی

جبری شادیوں کو عموماً خاندانی روایات یا قبیلائی معاہدوں کے نام پر جائز قرار دیا جاتا ہے۔ ایسی شادی عورت کی مرضی، آزادی اور انسانی وقار کی صریح خلاف ورزی ہوتی ہے۔[46]

خلاصہ بحث

یہ ریسرچ عورت کے حقوق اور ان پر رائج رسوم ورواج کے اثرات کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تجزیاتی مطالعہ ہے۔ انسانی تاریخ میں عورت نے مرد کے ساتھ معاشرتی ترقی میں بنیادی کردار ادا کیا، مگر اسے صنفی امتیاز، ناانصافی اور استحصال کا سامنا بھی رہا۔ اسلام نے ان جاہلانہ رویوں کے برعکس عورت کو عزت، آزادی، وراثت، تعلیم، شادی اور سماجی حیثیت کے جامع حقوق عطا کیے۔ تاہم پاکستانی معاشرت میں موجود رسمیں جیسے وٹہ سٹہ، کم عمری کی شادی، وراثت سے محرومی اور فیصلہ سازی سے دوری، ان اسلامی حقوق کے نفاذ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔

اس تحقیق کا مقصد یہ جانچنا تھا کہ عرف ورواج عورت کے حقوق کے فروغ یا رکاوٹ میں کس حد تک کردار ادا کرتے ہیں، اور اسلام اس بارے میں کیا رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

نتائج کے مطابق چند رسوم عورت کے تحفظ میں جزوی مددگار ہیں، لیکن اکثریت ایسے رواجوں پر مشتمل ہے جو عورت کے انسانی اور اسلامی حقوق کو پامال کرتے ہیں۔ عورت کو وراثت میں حصہ نہ دینا، تعلیم وروزگار سے محروم رکھنا اور ازدواجی فیصلوں میں بے دخل کرنا اسلام کی روح کے منافی ہے۔ اسلام نے عورت کو مساوات، عزت اور سماجی اختیار عطا کیا، جبکہ موجودہ رسوم ان اصولوں کو کمزور کرتی ہیں۔

تحقیق کے مطابق عورت کے حقیقی حقوق کی فراہمی کے لیے اسلامی اصولوں کو معاشرتی اور قانونی سطح پر نافذ کرنا ضروری ہے۔ غیر اسلامی رسومات کا خاتمہ، قانون سازی میں بہتری، اور عوامی رویوں میں تبدیلی کے بغیر خواتین کے حقوق کا تحفظ ممکن نہیں۔ اس مقصد کے لیے دینی، تعلیمی اور ریاستی اداروں کو مشترکہ کردار ادا کرنا ہو گا۔

نتائج

- اسلامی نقطہ نظر سے تحقیق میں یہ بات سامنے آئی کہ اسلام نے عرف وعادت کو مکمل طور پر مسترد نہیں کیا بلکہ اسے انسانی معاشرتی زندگی کی ضرورت کے طور پر تسلیم کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ فقہی مباحث میں عرف کو بطور ماخذ قانون تسلیم کیا جاتا ہے، تاہم شریعت نے یہ اصول بھی واضح کر دیا کہ کوئی بھی عرف شریعت کے بنیادی اصولوں اور احکام کے خلاف نہیں ہو سکتا۔ اس طرح مثبت اور مفید عرف کو اختیار کرنا اور منفی وباطل عرف کو ترک کرنا اسلامی تعلیمات کی روح ہے۔
- مسلم معاشروں میں بالعموم اور برصغیر وپاکستان کے تناظر میں بالخصوص عورت کے حقوق کے حوالے سے بعض غیر شرعی عرف ورسوم رائج ہیں۔ ان میں عورت کی جائیداد میں حقِ وراثت کی محرومی، جبری نکاح، ونی، کاروکاری اور غیرت کے نام پر قتل جیسی رسومات شامل ہیں۔ یہ تمام رواجات شریعت کے عین منافی ہیں اور عورت کے بنیادی انسانی وشرعی حقوق کی صریح خلاف ورزی ہیں۔
-

پاکستانی معاشرت میں خواتین کے حقوق کے سلسلے میں بہت سے مثبت اور منفی عرف پائے جاتے ہیں۔ مثبت عرف میں خاندانی نظام کا استحکام، عورت کے ساتھ عزت و تکریم کا برتاؤ اور بعض خطوں میں تعلیم کے فروغ جیسے پہلو نمایاں ہیں۔ لیکن منفی عرف جیسے کاروکاری، غیرت کے نام پر قتل، کم عمری کی شادی، عورت کو جائیداد سے محروم رکھنا اور سماجی دباؤ کے تحت فیصلے کرانا آج بھی کئی خطوں میں عورت کے حقوق کی پامالی کا باعث بن رہے ہیں۔

- قدیم سماجی رسومات اور رواجات نے عورت کے لیے آگے بڑھنے کے مواقع کو مسدود کیا ہے ایک پڑھی لکھی اور سمجھدار عورت کے لیے بھی ان خود ساختہ روایات اور رسومات سے کنارہ کش ہو کر اپنی زندگی اور کیریئر کو بہتر بنانا بہت دشوار ہے
- ایک عورت کے لیے رد عمل کی نفسیات میں مرد سے الگ ہو جانا، تنہائی اختیار کرنا اور اکیلے رہنا فطرتی، سماجی اور اخلاقی اعتبار سے بہت برا ہے، اس کے بھیانک نتائج اس کو بھگتنے پڑ سکتے ہیں

سفارشات

- معاشرے میں عورت کے بارے میں موجود منفی عرف و عادات مثلاً جبر کے ذریعے نکاح، ونی، سوارہ، کاروکاری اور غیرت کے نام پر قتل کو ختم کرنے کے لیے عوامی شعور بیدار کیا جائے۔ اس کے لیے مساجد، دینی ادارے، کمیونٹی سینٹرز اور میڈیا کو مثبت کردار ادا کرنا چاہیے۔
- خواتین کے حقوق پر مبنی آگاہی مہمات چلائی جائیں، تاکہ عام لوگ یہ جان سکیں کہ کون سے عرف اسلامی تعلیمات کے مطابق ہیں اور کون سے شریعت کے منافی۔
- مقامی سطح پر خواتین کے مسائل کے حل کے لیے سماجی کمیٹیاں تشکیل دی جائیں جو مصالحتی کردار ادا کریں اور غیر شرعی رسوم کے خاتمے کے لیے عملی اقدامات کریں۔
- خواتین کو سماجی سرگرمیوں میں فعال شرکت کا موقع دیا جائے تاکہ وہ اپنی آواز بلند کر سکیں اور اپنے حقوق کے لیے اجتماعی شعور کو فروغ دے سکیں
- پاکستان میں پہلے سے موجود قوانین مثلاً خواتین کو وراثت میں حق دلانے کا قانون، کم عمری کی شادی کی ممانعت، اور غیرت کے نام پر قتل کے خلاف قانون پر مؤثر اور سختی سے عمل درآمد کرایا جائے۔
- ایسے قوانین میں پائے جانے والے عملی خلا کو دور کیا جائے تاکہ بااثر طبقات ان قوانین سے بچ نہ سکیں۔
- عدالتوں میں خواتین کے کیسز کے لیے تیز رفتار نظام قائم کیا جائے تاکہ وہ برسوں مقدمات میں نہ الجھی رہیں۔
- خواتین کو قانونی معاونت فراہم کرنے کے لیے لیگل ایڈ سینٹرز قائم کیے جائیں جہاں وہ مفت مشورہ اور وکیل کی سہولت حاصل کر سکیں۔
- حکومت کو چاہیے کہ خواتین کے حقوق سے متعلق پالیسیوں کو مزید مضبوط اور نافذ العمل بنائے، خاص طور پر دیہی علاقوں میں جہاں منفی عرف زیادہ رائج ہیں۔
- خواتین کے حقوق پر عمل درآمد کے لیے مخصوص ٹاسک فورسز تشکیل دی جائیں جو مختلف صوبوں میں جا کر سماجی سروے کریں اور قانون شکنی کے خلاف فوری کارروائی کریں۔
- حکومت کو چاہیے کہ خواتین کی تعلیم، صحت اور روزگار کے مواقع بڑھانے کے لیے بجٹ میں خاطر خواہ اضافہ کرے تاکہ وہ سماجی و معاشی طور پر مضبوط ہو سکیں۔
- نصاب میں خواتین کے حقوق، اسلامی تعلیمات اور سماجی اصلاحات سے متعلق مضامین شامل کیے جائیں تاکہ نوجوان نسل مثبت رویوں کو اپنا سکے۔

حوالہ جات

[1] مولانا سید جلال الدین انصر عمری، عورت اسلامی معاشرہ میں (لاہور: اسلامک پبلی کیشنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ، 2005ء)۔
Maulānā Sayyid Jalāl al-Dīn Ansar ʻUmrī, Aurat Islāmī Muʻāshray Mein (Lahore: Islāmīk Pablikeshanz (Prāyavit) Limited, 2005).

[2] مصطفی السباعي، المرأة بين الفقه والقانون (بيروت: مكتبة الوراق للنشر والتوزيع)
Muṣṭafā al-Sibāʻī, al-Marʼah Bayn al-Fiqh wa al-Qānūn (Bayrūt: Maktabat al-Warrāq li al-Nashr wa al-Tawzīʻ).

[3] ایضاً۔

[4] ابن فارس، ابوالحسن احمد بن فارس، معجم مقاييس اللغة (بيروت: دارالمعرفہ، 1313ھ)، جلد2/281، ص558.

[5] (معجم مقاييس اللغة)، 1313ھ، 2/281۔

[6] حسین بن محمد الراغب الاصفہانی، المفردات في غريب القرآن (بيروت: دار احياء التراث العربي، ط1، 1423ھ)، ص343.
Ḥusayn ibn Muḥammad al-Rāghib al-Aṣfahānī, al-Mufradāt fī Gharīb al-Qurʼān (Bayrūt: Dār Iḥyāʼ al-Turāth al-ʻArabī, 1st ed., 1423H), p. 343.

[7] القرآن، التحریم، 66:3.. al-Qurʼān, al-Taḥrīm, 66:3

[8] القرآن، البقرہ، 2:166۔

[9] لسان العرب، 9/239۔

[10] القرآن، الاعراف، 7:199۔

al-Qurʼān, al-Aʻrāf, 7:199.

[11] ابو بکر الجصاص احمد بن علی الرازی، احکام القرآن (کراچی: قدیمی کتب خانہ، س ن)، جلد 3/58.

Abū Bakr al-Jaṣāṣ, Aḥmad ibn ʻAlī al-Rāzī, Aḥkām al-Qurʼān (Karāchī: Qadīmī Kutub Khānah, s.n.), vol.

[12] فخر الدین الرازی، مفاتیح الغیب (بیروت: دار الکتب العلمیہ، س ن).

Fakhr al-Dīn al-Rāzī, Mafātīḥ al-Ghayb (Bayrūt: Dār al-Kutub al-ʻIlmiyyah, s.n.).

[13] القرآن، الاحزاب، 33:63.

al-Qurʼān, al-Aḥzāb, 33:63.

[14] القرآن، آل عمران، 3:110.

Qurʼān, Āl ʻImrān, 3:110.

[15] الاصفہانی، المفردات، ص:344.

al-Aṣfahānī, al-Mufradāt, p. 344

[16] لسان العرب، کتاب العین، بذیل مادہ ع و د.

Lisān al-ʻArab, Kitāb al-ʻAyn, bi-ẓayl mādah ʻA-W-D.

[17] القرآن، الروم، 27:30.

al-Qur'ān, al-Rūm, 30:27.

[18] ابن امیر الحاج، التقریر والتحبیر (بولاق: مطبعہ بولاق، س ن)، جلد 1/ 289.

[19] احمد حسن الزیات ودیگر، المعجم الوسیط (ترکیہ: المکتبۃ الاسلامیۃ، س ن)، ص 2/ 635.

Aḥmad Ḥasan al-Zayyāt wa ʾĀkhirūn, al-Muʻjam al-Wasīṭ (Turkiyah: al-Maktabah al-Islāmiyyah, s.n.), 2/635.

[20] أیضاً.

Aydan

[21] المفردات فی غریب القرآن، ص:366۔

al-Mufradāt fī Gharīb al-Qur'ān, p. 366.

[22] ابو سنہ احمد فہمی، العرف والعادۃ فی رأی الفقہاء (قاہرہ: مطبعۃ الازہر، س ن).

Abū Sanah, Aḥmad Fahmī, al-ʻUrf wa al-ʻĀdah fī Ra'y al-Fuqahā' (Qāhirah: Maṭbaʻat al-Azhar, s.n.)

[23] ابن عابدین، محمد امین آفندی، مجموعہ رسائل ابن عابدین (لاہور: سہیل اکیڈمی، س ن)، ص 20/ 117۔

Ibn ʻĀbidīn, Muḥammad Amīn Afandī, Majmūʻah Rasā'il Ibn ʻĀbidīn (Lahore: Suhail Academy, s.n.), 20/117.

[24] محمد خضر الحسین، الشریعۃ الصالحۃ لکل زمان (مصر: مکتبۃ النہضۃ المصریۃ، 1999ء)، ص 32.

Muḥammad Khaḍr al-Ḥusayn, al-Sharīʻah al-Ṣāliḥah li-Kulli Zamān (Miṣr: Maktabat al-Nahḍah al-Miṣriyyah, 1999), p. 32.

[25] عبد الوہاب خلاف، مصادر التشریع الاسلامی فیما لا نص فیہ (کویت: الدار الکویتیۃ، س ن)، جلد 2/ 145.

ʻAbd al-Wahhāb Khalf, Maṣādir al-Tashrīʻ al-Islāmī fīmā Lā Naṣ Fīh (Kuwait: al-Dār al-Kuwaytiyyah, s.n.), vol. 2/145.

[26] تفصیل کیلئے دیکھے کتاب الأحکام العدلیۃ مادۃ 45-36 ابن نجیم، الاشباہ والنظائر، عبد المالک عرفانی، اسلامی قانون کے لیے کلیات۔

For details, see Kitāb al-Aḥkām al-ʻAdliyyah, mādah 36–45; Ibn Najīm, al-Ashbāh wa al-Naẓā'ir; ʻAbd al-Malik ʻIrfānī, Kulliyāt fī al-Qānūn al-Islāmī.

[2727] ابن نجیم، زین الدین بن ابراہیم، الأشباہ والنظائر (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، 1999ء).

Ibn Najīm, Zayn al-Dīn ibn Ibrāhīm, al-Ashbāh wa al-Nazā'ir (Bayrūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, 1999).

[28] القرآن، النحل، 16:58-59۔

al-Qur'ān, al-Naḥl, 16:58–59.

[29] القرآن، الزخرف، 43:17۔

al-Qur'ān, al-Zukhruf, 43:17

[30] سنن دارمی، باب من کان علیہ الناس قبل مبعث النبی ﷺ من الجھل والضلالۃ، 4/1-3۔

Sunan Dārimī, Bāb "Man Kāna 'Alayh al-Nās Qabl Mab'ath al-Nabī ﷺ min al-Jahl wa al-Ḍalālah," 4/1–3.

[31] سنن دارمی، باب من کان علیہ الناس قبل مبعث النبی ﷺ من الجھل والضلالۃ، 4/1-3۔

Sunan Dārimī, Bāb "Man Kāna 'Alayh al-Nās Qabl Mab'ath al-Nabī ﷺ min al-Jahl wa al-Ḍalālah," 4/1–3.

[32] ابو داؤد، سلیمان بن اشعث، سنن ابی داؤد (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، س ن)، کتاب الطلاق، باب فی من اسلم وعندہ نساء اکثر من اربع، جلد 2/226.

Abū Dāwūd, Sulaymān ibn Ash'ath, Sunan Abī Dāwūd (Bayrūt: Dār al-Kutub al-'Ilmiyyah, s.n.), Kitāb al-Ṭalāq, Bāb "Fī Man Aslama wa 'Indahu Nisā' Akthar min Arba'," vol. 2/226.

[33] عورت انسانیت کے آئینے میں، ص95۔

Aurat Insānīyat ke Āʼīne Mein, p. 95.

[34] قاضی عبد الصمد صارم، مقالات صارم، (لاہور: حجازی پریس، دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ،) ص88۔

Qāḍī 'Abd al-Ṣamad Ṣārim, Maqālāt Ṣārim (Lahore: Hijāzī Press; Dār al-Muṣannifīn Shiblī Academy, Azamgarh), p. 88.

[35] القرآن النساء، 4:129۔

al-Qur'ān, al-Nisā', 4:129.

[36] صفی الرحمٰن المبارکپوری، الرحیق المختوم (لاہور: المکتبۃ السلفیہ، 1421ھ)، ص:68۔

Ṣafī al-Raḥmān al-Mubārakpūrī, al-Raḥīq al-Makhtūm (Lahore: al-Maktabah al-Salafiyyah, 1421H), p. 68.

[37] پیر محمد کرم شاہ الازہری، ضیاء النبی (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، 1420ھ)، ص، 1/352۔

Pīr Muḥammad Karam Shāh al-Azhari, Ḍiyā' al-Nabī (Lahore: Ḍiyā' al-Qur'ān Publications, 1420H), 1/352.

[38] سید سلیمان ندوی، سیرۃ النبی ﷺ (لاہور: الفیصل ناشران، 1991ء)، جلد 6/137.

SayyiSulaymān Nadwī, Sīrah al-Nabī ﷺ (Lahore: al-Faisal Nāshirān, 1991), vol. 6/137.

[39] اشرف علی تھانوی، مرتب محمد اقبال قریشی، حقوق العباد: اہمیت، فضائل، مسائل (لاہور، کراچی: ادارہ اسلامیات، 1427ھ)، ص48-49.

Ashraf 'Alī Thānawī, compiled by Muḥammad Iqbāl Qurayshī, Ḥuqūq al-'Ibād: Ahammiyyah, Faḍā'il, Masā'il (Lahore, Karāchī: Idārah Islāmiyyāt, 1427H), pp. 48–49.

[40] Gerda Lerner, The Creation of Patriarchy (New York: Oxford University Press, 1986), 45–48.

[41]Sally Engle Merry, Human Rights and Gender Violence: Translating International Law into Local Justice (Chicago: University of Chicago Press, 2006), 72–75.

[42]Martha C. Nussbaum, Women and Human Development: The Capabilities Approach (Cambridge: Cambridge University Press, 2000),

[43]Amartya Sen, Development as Freedom (New York: Alfred A. Knopf, 1999), 190–195.

[44]غیرت کے نام پر قتل: ایک معاشرتی المیہ "،روزنامہ جنگ (ملتان: خصوصی ایڈیشن برائے خواتین، 3نومبر 2003ء)۔

45 غیرت کا قتل: تہذیبی، قانونی اور اسلامی اقدار کی روشنی میں"، ماہنامہ محدث (لاہور: س ن)، ص74.

"Ghairat ka Qatl: Tahzībī, Qānūnī, aur Islāmī Aqvār ke Roshnī Mein," *Māhnāmah Muḥaddith* (Lahore: s.n.), p. 74.

[46]محمد شاہنواز خان، "فرسودہ روایات اور ہماری خواتین"، روزنامہ نوائے وقت (ملتان: 7مارچ 2008ء)۔

Muḥammad Shāhnawāz Khān, "Farsūdah Rawāyāt aur Hamārī Khawātīn," *Roznāmah Nawā-ye Waqt* (Multān: 7 March 2008).